اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو!

(القرآن)

قوانینِ حدود و قصاص

از

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب

نوّر اللہ مرقدہ

www.alhaqqania.org

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

قوانین حدود و قصاص

چند ضروری گذارشات بابت ایجنڈا ورکنگ گروپ برائے جائزہ

قوانین حدود و قصاص

ایجنڈ ابرائے اجلاس ورکنگ گروپ برائے قصاص ودیت اجلاس کی تاریخ سے صرف دو روز پہلے موصول ہوا تھا، اس پر غور نہیں ہو سکا تھا، اب اس کے بارہ میں چند ضروری گذارشات کرنی ضروری سمجھیں وہ پیش خدمت ہیں۔

(۱) ایک روزہ پہلے اجلاس کا یہ ایجنڈ اتفصیلی اس حیثیت سے مفید ہوا کہ اجمالی طور پر قابل غور امور کا علم اراکینِ اسلامی نظریاتی کونسل کو ہوگیا۔ظاہر ہے کہ اس پر تفصیلی غور کیلئے کافی وقت درکار ہوگا اور حسب موقع اس پر غور ہوتا رہے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔

(۲) اسلامی نظریاتی کونسل کسی مسئلہ میں غور کرنے میں اس کی پابند ہے کہ زیر غور مسئلہ کی یہ شق قرآن وسنت کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر کسی شق کا قرآن وسنت کے موافق ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوجائے تو اسلامی نظریاتی کونسل اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتی ہے، اس کا فرض صرف اتنا ہی ہے کہ وہ مجوزہ شق کے

قرآن وسنت کے موافق ہونے یا نہ ہونے کو ثابت کردے۔

(۳) اگر اس شق پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہو، اگر وہ قرآن وسنت کی روشنی میں واقع ہوتا ہو تو اس کا رفع کرنا اسلامی نظریاتی کونسل کے فرائض میں شامل ہے، ورنہ ایسا اعتراض قابل التفات نہ ہونا چاہئے اور نہ اس کا رفع کرنا کونسل کی ذمہ داری ہے، یہ اس کے فرائض منصبی میں داخل نہیں ہے، البتہ اگر مزید اطمینان کی خاطر اس کو رفع کردینا کونسل مناسب سمجھے تو اس کا تبرع ہے، اس کے مطالبہ کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

(۴) اگر کسی مسئلہ میں قرآن وسنت کا حکم واضح نہ ہو، اس میں ابہام ہو تو فقہاء متقدمین کے اقوال میں سے راجح اور قوی قول کو اختیار کرنا مناسب ہوگا الابضرورۃ شدیدۃ، ضرورت شدیدہ کے وقت مرجوح قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، بلکہ دوسرے مذہب کی اس کی شرائط کے ساتھ کسی شق کو اختیار کرنے کا بھی فقہاء متقدمین نے اختیار دیا ہے جیسا کہ زوجۂ مفقود الخبر کے بارہ میں عمل کیا گیا ہے، اس کی تفصیل "الحیلۃ الناجزۃ" میں ملے گی اور اس کی تفصیل بھی کہ ضرورت شدیدہ کی کیا تعریف ہے، یہ کتاب تقریباً ہر دارالافتاء میں ہوتی ہے، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے مفتی محمد شفیع کی مشارکت اور میرے والد ماجد مولانا سید عبدالکریم گمتھلوی مرحوم کی مشارکت سے مرتب کی تھی، دونوں کے نام بھی آخر کتاب میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے دست مبارک

سے لکھے ہیں۔

(۵) قرآن وسنت کے ایسے معنی جو مقبول فقہاء متقدمین میں سے کسی نے نہ قبول کئے ہوں ان کو رد کر دیا جائے گا۔

مکتوب گرامی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں جس کو ابو داؤد شریف میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے اس مسلک کی واضح ترجمانی فرمائی ہے، فرماتے ہیں ولئن قلتم لم انزل اللّٰہ آیۃ ولم قال کذا؟ لقد قرأوا منہ ما قرأتم وعلموا من تاویلہ ماجھلتم وقالوا بعد ذٰلک کلّہ بکتاب وقدر (ابوداؤد کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید کی بعض آیات کو اس کے خلاف پا رہے ہو اور اپنی دانست میں تم ان آیتوں کو مسئلۂ تقدیر کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ تو سوچو کہ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں صحابہ کرام نے بھی پڑھی تھیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم وتربیت اور آپ کے فیض صحبت سے وہ مقصد قرآن کو تم سے بہتر سمجھنے والے تھے، اس کے باوجود وہ اس مسئلۂ تقدیر کے قائل تھے، اس سے تمہیں خود ہی سمجھ لینا چاہئے کہ تم ان آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کھا رہے ہو، اس مسلک کو حدیث شریف ما انا علیہ واصحابی جس پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں، میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مطالبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ خوارج کے مجمع کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے، خوارج نے قرآن کریم کا نعرہ لگایا کہ ہم بس کتاب اللہ کو مانیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تدبیر سے انہیں بتلایا قرآن کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ جو قرآن کو سمجھنے والے ہیں وہ جو کچھ قرآن سے سمجھ کر بتلائیں اس کی پیروی کی جائے، کتاب وسنت بولتے ہوئے انسان نہیں ہیں کہ ہم ان سے کوئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دے دیں۔ پھر حضرت علی نے فرمایا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن مجید کو اور دین کو حاصل کیا کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن کو اور دین کو جاننے والے ہو؟

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''سعادت آثار آنچہ بر ما وشما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب وسنت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب وسنت آں عقائد را فہمیدہ اند واز آں جا اخذ کردہ، چہ فہمیدن ما وشما از حیز اعتبار ساقط است، اگر موافق افہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ خود را از کتاب وسنت فہمید واز آں جا اخذ می نماید والحال انہ لا یغنی من الحق شیئا (مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ص ۳۳ مکتوب ۵۷ طبع امرتسر) اے نیک بخت! جو چیز ہم پر اور تم پر

لازم ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے، مگر اسی طریقہ پر کہ علمائے اہل حق نے کتاب وسنت سے اس کو سمجھا ہے اوران سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارااورتمہارا سمجھنا اگران بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہوا عتبار کے مقام سے ساقط ہے" الخ۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگر درشید حضرت علامہ ابن عبدالہادی ایک مقام پر لکھتے ہیں لا یجوز احداث تاویل فی آیۃ وسنّۃ لم یکن علی عہد السّلف ولا عرفوہ ولا بیّنوہ للامۃ فان ھذا یتضمّن انّھم جھلوا الحقّ فی ھذا وضلّوا عنہ واھتدی الیہ ھذا المعترض المتأخرفکیف اذا کان تاویل یخالف تاویلھم ویناقضہ وبطلان ھذا التّاویل اظھرمن ان یطنب فی ردّہ الخ (الصارم المنکی ص۴۲۷ طبع مصر) جائز نہیں کہ کسی آیت یاحدیث کے ایسے معنی اورتاویل کی جائے جوحضرات سلف کے زمانہ میں نہ کی گئی ہو، کیونکہ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ سلف اس میں حق سے جاہل رہے اوراس سے بہک گئے اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہ کو پہنچ گیا، خصوصاً جبکہ متاخر کی تاویل سلف کی تاویل کے خلاف اوراس کے برعکس ہوپھر کیونکر وہ قبول کی جاسکتی ہے، اوراس تاویل کا بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کیلئے کسی بسط کی ضرورت نہیں ہے۔

مختصر طریقہ پران عبارات محولہ بالا سے واضح ہوگیا کہ جس آیت یاحدیث کا جومطلب اورمعنی حضرات سلف، صحابہ کرام اورائمہ عظام نے نہ سمجھے ہوں اور

متأخرین میں سے کسی نے اس کو سمجھا ہوتو اس کی یہ سمجھ اعتبار وقبول کے لائق نہیں، کیونکہ اس سے امت کی تضلیل اور اس کا گمراہی پر ہونا لازم آتا ہے اور حدیث میں ہے لاتجتمع امتی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، جب ایک معنی پر امت کے اسلاف نے اتفاق کرلیا اس کے خلاف دوسرے معنی کرنا ناقابل قبول اور مردود ہیں اور اجماع کے خلاف ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سلف صالحین میں ہی کئی معنی مقبول ہوں تو اس صورت میں جو معنی اصول کی رو سے قرآن وسنت کی دوسری تصریحات یا اشارات سے راجح ہوں ان کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا لازم ہے، ہر شخص کے ایسے ہی گرے پڑے کسی قول کو قبول کرلینا جائز نہیں۔ اکابر علماء محدثین اور فقہائے عظام امام غزالی، امام رازی، ترمذی، طحاوی، ابن ہمام، ابن قدامہ رحمہم اللہ اور اسی معیار کے ہزاروں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت وعلوم شریعت میں اعلیٰ مہارت کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تحقیق کے ہی پابند رہے ہیں، سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا۔ البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے، پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے اس کو اختیار کرتے تھے، مگر تمام ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے

قائم کرنا جائز نہ جانتے تھے(از معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ص۳۳۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جن جن معنی پر ائمہ سلف میں اتفاق ہو چکا ہے ان میں سے جو قول قرآن وسنت کے زیادہ موافق ہو اس کو قبول کرنا لازم ہے اور ان اقوال کے خلاف کوئی نیا قول نکالنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہوگا، یہ اجماع مرکب کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ کسی آیت وحدیث کے ایک معنی پر اجماع واتفاق نہیں ہوا مگر سلف صالحین میں اس پر اتفاق واجماع ہو چکا ہے کہ اس آیت وحدیث کے معنی ان میں ہی منحصر ہیں جن کو سلف نے سمجھا ہے ، جیسا کہ علامہ ابن عبدالہادی علامہ ابن تیمیہ کے خاص شاگرد کی عبارت مذکورہ ''الصارم'' سے واضح ہو رہا ہے ۔اسی واسطے اگر کسی بڑے عالم نے بھی کوئی ایسے معنی بیان کئے جن کی پشت پر سلف کی تائید نہ ہو اس کو رد کر دیا گیا اور اس پر عمل نہیں کیا گیا جیسا کہ شیخ ابن ہمام وغیرہ کے بعض تفردات کو قبول نہیں کیا ہے۔

ایک اصول

عام طور پر آیات قرآنیہ کا نزول اور احادیث نبویہ کا ورود کسی خاص واقعہ پر ہوا ہے مگر عام اصول یہی ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے اور اس جیسے تمام واقعات کو شامل ہوتا ہے، اسی واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوتا، اس اصول کو عام تفسیری اصول کے طور پر اتقان وغیرہ میں بھی علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بیان کیا

ہے اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بحر محیط کے حوالہ سے الفاظ ذیل سے نقل کیا ہے:

ابو حیان صاحب تفسیر بحر محیط لکھتے ہیں والذین هاجروا عام فی المهاجرین کائنا ما کانوا فیشمل اوّلهم واخرهم (ص۴۹۲ ج۵) الّذین هاجروا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کیلئے عام اور شامل ہے، کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں، اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ کیلئے ہر ہجرت کرنے والا اس میں داخل ہے (معارف القرآن ص ۳۴۸ ج ۵)

اب کچھ معروضات ایجنڈا ورکنگ گروپ برائے جائزہ قوانین حدود قصاص کے متعلق پیش ہیں، امید ہے کہ غور فرمایا جائے گا۔

(۱) قانون قصاص ودیت جب اسلامی احکام پر مبنی ہیں تو ان پر یہ اعتراض جو ایجنڈا نمبر ۱ میں کیا گیا ہے غیر اسلامی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل اس پر اس صورت میں غور کر سکتی ہے کہ اس قانون کی فلاں شق اسلامی احکام کے خلاف ہے۔

مقدمہ میں بطور گواہوں کی تعداد احکام اسلام کے مطابق متعین کی جائے گی جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، یہ صحیح اور واجب العمل ہے، اس لئے قتل کے ثبوت کیلئے ایک گواہ کی شہادت کو کافی سمجھنا قرآن وسنت کے واضح احکام کی خلاف ورزی ہوگی جس کی کسی مسلمان کو جرأت نہیں ہو سکتی اور یہ بھی صحیح ہے کہ "قتل عمد کیلئے جو مستوجب قصاص ہے عورت کی

شہادت نا قابل قبول ہے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مطالبۂ قصاص کے واقعہ سے عورت کی شہادت کے قابل قبول ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔اول تو ان کی زوجہ نے قصاص کا مطالبہ کیا جس کا ان کو شرعاً حق تھا، دوسرے اس قصہ میں شہادت پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آیا تھا،صرف مطالبہ ہی ہوتا رہا،شہادت پیش کرنے کا موقع دعویٰ عندالحاکم کے بعد آتا،یہ مقدمہ نہ تو عندالحاکم اپنی شرائط کے ساتھ پیش ہوا،نہ حاکم نے اس پر شہادت طلب کی،نہ کسی عورت یا مرد نے عندالحاکم شہادت پیش کی،ایسے واقعہ کو بنیاد بنا کر قرآن وسنت کے احکام کی خلاف ورزی کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ ومنها الشَّهادة ببقيَة الحدود والقصاص تقبل فيها شهادة رجلين، لقوله تعالٰى واستشهدوا شهيدين من رِّجالكم، ولاتقبل فيهاشهادة النساء لما ذكرنا۔خلاصہ یہ ہے کہ بقیہ حدود وقصاص میں دو مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور دو مرد تمہارے میں سے شہادت دیں اور عورتوں کی شہادت قبول نہیں ہے۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے (والقصاص تقبل فيهاشهادة رجلين لقوله تعالٰى واستشهدوا شهيدين من رِّجالكم) فانه بعمومه يتناول المطلوب وغيره لما مرّ من عموم اللّفظ وهونصّ في بيان العدد

والـذكـورـة والبـلوغ خلا انّ باب الزّنا خرج بماتلونافبقي الباقي على تناوله (برحاشیہ فتح القدیر ص ٦ ج ٦)

اس عبارت سے یہ شبہ بھی دور ہوگیا کہ یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں واضح کردیا گیا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے اور قواعد میں مرقوم ہے، الا یہ کہ خصوص کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو جیسا کہ باب زنا میں آیت ثمّ لم يأتوا باربعة شهـداء کی وجہ سے دو مردوں کی گواہی کافی نہیں ہے، وہ اس حکم سے خارج ہے، مگر قتل کے معاملہ میں اس آیت کا حکم عموم لفظ سے ثابت ہے اور اس میں مـــن رّجـالكـم ''تمہارے مردوں میں سے'' شاہدوں کا مرد ہونا ثابت ہورہا ہے، اوپر عنایہ شرح ہدایہ کی عبارت سے اس کی وضاحت ہورہی ہے۔

رحمۃ الامۃ میں ہے وشهـادة النسـاء لايقبلـن فـى الـحـدود والقصاص (۱٦۰) حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وقـال ابن المنذر اجمع العلماء على القول بظاهرهذه الأية اى قـول الله تـعـالـى فان لّم يكونا رجلين فرجل وامرأ تٰن فاجازوا شهادة الـنسـاء مـع الـرجـال وخـصّ الـجـمهور ذٰلك بالديون والاموال وقالوا لاتـجـوز شهـادتهـنّ فـى الـحدود والقصـاص ۔خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جمہور نے آیت مذکورہ کو دیون اور اموال کے ساتھ خاص کیا ہے اور کہا ہے کہ

حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔

وقال ابوعبید امّا اتّفا قهم علی جواز شهاد تهنّ فی الاموال فالاٰیة المذکورة وامّا اتّفاقهم علی منعهافی الحدود والقصاص فلقوله تعالی فان لّم یأ توا باربعة شهداء الخ (من فتح الباری ص۱۹۶ج۵)

قال الموفّق فی المغنی انّ العقوبات وهی الحدود والقصاص لا یقبل فیه الّاشهادة رجلین الی ماروی عن عطاء وحمّاد انّهما قالا یقبل فیه رجل وامرأتان قیاساعلی الشّهادة فی الاموال ولنا انّ هذا ممّا یحتاط لدرئه واسقاطه ولهذا یندریٔ بالشّبهات ولا تدعوا الحاجة الی اثبا ته وفی شهادة النّساء شبهة (البدایة) بدلیل قوله تعالی(فان لّم یکونا رجلین فرجل وّامرا تٰن) لاحتمال ان یکون ذٰلك کقوله تعالی فان لّم تجدوا ماء فتیمّموا صعیدا طیّبا ......وماجرٰی مجرٰی ذٰلك فی الابدال التی اقیمت مقام اصل الفرض عند عدمه وشبهة القصور بدلیل قوله ان تضلّ احدهما فتذکّر احدهما الاخرٰی (الدالّ علی نقصان شهادتهنّ)ولا یصحّ قیاسه علی المال لماذکرمن الفرق وبهذا قال سعید بن المسیّب والشّعبی والنّخعی وحمّادوالزّهری وربیعة ومالك والشّافعی وابوعبید وابوثورواصحاب الرأی اه (۱۲/۶)(ازاعلاء السنن عربی للعلامہ ظفر احمد عثمانی ص ۱۶۸ج۱۵مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ سے عورتوں کی شہادت میں نقصان ضبط اور یادداشت کی کمی ثابت ہورہی ہے لقولہ تعالی ان تضلّ احدھما فتذکّر احدھما الاخری، ادھر حدیث سے ثابت ہورہا ہے ادرء وا الحدود بالشّبہات، آیت اور حدیث کو ملانے سے ثابت ہوگیا کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے اور جس جگہ شبہ کا اعتبار نہیں کیا گیا وہاں عورتوں کی شہادت معتبر ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہورہا ہے، حدود قصاص میں عورتوں کی شہادت معتبر نہ ہونے اور آیت میں تخصیص کی دوسری دلیلوں کے علاوہ خود آیت میں یہ دلیل بھی ہے جو عرض کی گئی ہے اور آیت میں تخصیص اس طرح بھی ہو جاتی ہے۔

حق قصاص

مقتول کا اگر ایک وارث ہے تو وہی قصاص کا حق دار ہوگا، اور اگر متعدد ہوں تو سب شراکت کے طور پر اس کے حقدار ہوں گے جیسے اس کی میراث کے وہ سب حقدار ہوتے ہیں ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیّه سلطٰنا اگر کوئی ظلم سے قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو (قاتل کے قتل کرنے کا) اختیار دیا ہے (بنی اسرائیل ۳۳) البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص کا حق وارثوں میں سے ہر ایک کو ابتداءً اس طور پر ثابت ہوتا ہے جیسے کہ کوئی دوسرا شخص شراکت کے طور پر اس میں ساتھ نہیں، کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو متجزی نہیں ہے اور جس میں تجزی نہیں اس میں شرکت محال ہے...... صحیح امام ابوحنیفہ کا اصول ہے (ماخوذ از البدائع والصنائع ص ۵۶۰ و ۵۶۱ ملخصاً)

قال الشّارح الزّيلعي وفي قوله تعالٰى ومن قتل مظلوما فقدجعلنا لوليّه سلطٰنا فلايسرف فّي القتل نصّ علٰى انّ القصاص يثبت للوارث ابتداء بخلاف الدّية والدّين واصل الاختلاف راجع الى انّ استيفاء القصاص حقّ الورثة عنده وحقّ الميّت عندهمافاذاكان القصاص يثبت حقّا للورثة عنده ابتداء لا ينتصب خصمامن الاٰخرين في اثبات حقّهم بغير وكالة منه فباقامة البينة لايثبت القصاص في حق الغائب فيعيدها بعد حضوره ليتمكّن من الاستيفاء الخ (ص۱۳۲ج۶)

اس سے واضح ہے کہ حق قصاص ورثہ میت کیلئے آیت ہٰذا کی وجہ سے ابتداءً ثابت ہوتا ہے خلافۃً، اور ولی میت کو اللہ تعالیٰ نے قصاص کا اختیار دیا ہے، البتہ قصاص جب مال بن جاتا ہے تو وہ میت کا حق ہوجاتا ہے اور وہ اس کے حوائج کے پورا کرنے کا صالح ہوجاتا ہے (//)

باپ پر قصاص

باپ کے بیٹے کو قتل کرنے سے باپ پر قصاص نہیں مگر دیت اس کے مال میں سے واجب ہوتی ہے انت ومالك لابيك سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ اطمینان بخش نہیں الخ (ایجنڈا ص ۷)

ہدایہ میں ہے ولا يقتل الرّجل بابنه لقوله عليه السّلام لا يقاد الوالد بولده ولانه سبب لاحيائه فمن المحال ان يستحق له افنائه

ولهذا لا يجوز له قتله وان وجده في صف الاعداء مقاتلا اوزانيا وهو محصن، والجدّ من قبل الرّجال او النّساء وان علا في هذا بمنزلة الاب وكذا الوالدة والجدّة من قبل الاب اوالامّ قربت او بعدت (ص ۲۴۷ ج ۴)

اور بدائع وصنائع میں ہے اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے تو اس پر قصاص نہیں کیونکہ قصاص کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ قاتل کا جزنہ ہو۔ اس بارہ میں دلیل نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی یہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ والد سے اس کی اولاد کا قصاص نہیں لیا جائے گا (۲۴۱۵)

اس مسئلہ کے بارہ میں ہدایہ اور البدائع والصنائع سے اوپر مذکورہ دلائل کافی ہیں اور دوسرے دلائل یعنی حدیث نبوی اور اجماع کو ملا کر آیت کریمہ میں تخصیص ہو جاتی ہے۔

یہ اعتراض کہ اس صورت میں حق قصاص حاصل نہ ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں (ص ۴) صحیح نہیں ہے، منقول اور معقول دونوں وجہیں اوپر لکھ دی گئیں لانّہ سبب لاحیائہ الخ سے معقول وجہ کا بیان ہے، باقی رہا انت ومالك لابيك سے استدلال اس پر مسئلہ کا اثبات موقوف نہیں ہے جیسا کہ دوسرے دلائل مذکورہ سے واضح ہے اور اس سے استدلال بنا بر شبہ ہے اور شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں کما تقرّر في الاصول اور حدیث لا يقاد الوالد بولده کو امام بزدوی نے مشہور کہا چنانچہ حاشیہ ہدایہ میں ہے وقال الامام البزدوی انّ هذا

الحدیث مشہور لقتہ الامۃ بالقبول فیصلح مخصّصا او ناسخا بحکم الکتاب (حاشیہ ہدایہ ص ۵۴۷ ج ۴) امام بزدوی نے فرمایا کہ یہ حدیث مشہور ہے، امت نے اس کو قبول کیا ہے، حکم کتاب کیلئے مخصص یا ناسخ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

قال صاحب نتائج الافکار وھذا لانّ القصاص یستحقہ الوارث بسبب انعقد للمیّت خلافۃ ولوقتل بہ کان القاتل ھو الابن نیابۃ قصاص کا حق وارث کو خلافت کے طور پر اس سبب سے حاصل ہوتا ہے جو میت کیلئے منعقد ہوا ہے (تبیین الحقائق ص ۱۰۵ ج ۶)

اب اگر ابن کے بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے گا تو ولد نیابت کے ذریعہ باپ کا قاتل قرار پائے گا اور بیٹے کو منع کیا گیا ہے باپ کے قتل سے حق اللہ کیلئے ہتو نفس کیلئے قتل کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے (اعلاء السنن ص ۸۸ ج ۱۸)

نابالغ ولی قصاص کا حق

دفعہ ۳۱۳ (۳ بی) اور دفعہ ۳۳۷ (س) اس دفعہ کی رو سے نابالغ ولی قصاص کا حق اس کے باپ یا دادا کو منتقل ہوتا ہے، ماں یا دادی کو اس حق سے محروم کیا گیا ہے الخ (ص ۴)

ماں یا دادی کو اس حق سے محروم تو جب کیا جاسکتا ہے جبکہ ان کو یہ حق شرعاً حاصل ہوتا مگر ان کو شرعاً یہ حق حاصل ہی نہیں جیسا کہ صاحب بدائع کے تصریح

کرنے سے واضح ہو رہا ہے، کیونکہ یہ ولایت نظری ہے اور مصلحت بینی پر مبنی ہے، باپ، وہ نہ ہو تو دادا کو حاصل ہے، وصی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے اگرچہ وصی کو مال کے استیفاء کا حق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ قصاص مال نہیں ہے، جان کا بدلہ جان ہے، مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۱۳ (۳ ب) ودفعہ ۳۳۷ (س) میں جس صراحت کے ساتھ اس کو اختیار کیا گیا ہے وہ صحیح ہے، اس پر عمل ہونا لازمی قرار دینا چاہئے، کمیشن نے اس ضمن میں جو سفارش کی ہے وہ بلا دلیل ہے اس لئے نا قابل قبول ہے اور کونسل کی یہ رائے بھی کہ ''نابالغ یا مجنوں کا ولی اس کی طرف سے یہ حق استعمال کرے گا'' (ص ۷) اوپر کی بدائع کی تصریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہے اور اس کی بھی قرآن وسنت یا فقہ سے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی جس پر غور کیا جا سکتا، اس لئے اس کو قبول نہیں کرنا چاہئے، رد کر دینا چاہئے۔

نیز ہدایہ میں ہے والصّبیّ بمنزلة المعتوه فی هذا والقاضی بمنزلة الاب فی الصّحیح الاتری انّ من قتل ولا ولیّ له یستوفیه السّلطان، والقاضی بمنزلته فیه (ای فی استیفاء القصاص حاشیه) (ص ۵۴۹ ج ۴)

ڈرائیور پر دیت

قانون ہذا کی دفعہ ۳۳۰ کی رو سے بے احتیاطی یا غفلت سے ڈرائیونگ کے نتیجے میں اگر قتل واقع ہو جائے تو اس کی سزا دیت بھی اور قید بھی۔

یہ صحیح ہے کہ اس صورت میں انسانی جان کا ضیاع ہے مگر ہر طرح سے انسانی جان کے ضیاع کو قتل عمد کے زمرہ میں نہیں لایا جا سکتا، اس کو قتل خطا کے زمرہ میں داخل کیا جائے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری کئے جائیں گے، اس بے احتیاطی کے نتیجے میں حاصل ہونے والے قتل کو قتل عمد کے زمرہ میں لانے کی تجویز صحیح نہیں ہے، یہ قتل خطا ہے۔ ۴۰ جانوں کے ضیاع پر دیت کے ادا کرنے سے ڈرائیور کو بے بس قرار دیا جا رہا ہے مگر اس کا حل تو عاقلہ کے تعین سے ہو سکتا ہے، کیونکہ دیت قاتل خطا کے عاقلہ پر بھی ہوتی ہے، اگرچہ قاتل بھی اس میں حصہ دار ہوتا ہے اور وہ تین سال میں ادا کی جاتی ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا تھا۔

ہدایہ میں ہے فھی علی العاقلة اعتبارا بالخطاء وتجب فی ثلاث سنین لقضیة عمربن الخطاب (ص ۵۴۵ ج ۴) دیت عاقلہ پر ہے قتل خطا کے ساتھ اعتبار کرتے ہوئے اور تین سال میں واجب ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق فانہ قضی بالدّیة علی العاقلة فی ثلاث سنین والمروی عنه کالمروی عنه صلّی اللّٰہ علیه وسلّم لانه ممّالا یعرف بالرأی (حاشیہ صفحہ مذکور) قال وادخل القاتل مع العاقلة فیمایؤذی کاحدھم لانّه ھوالفاعل فلامعنٰی لاخراجه ومؤاخذة غیرھم (ہدایہ ص ۶۳۲ ج ۴)

مطلب یہ ہے کہ فاعل قتل خطا کو دیت میں شامل نہ کرنا کے معنی ہوتے ہیں کہ فاعل جرم کو چھوڑ دیا جائے اور دوسروں سے مؤاخذہ کیا جائے، جو غیر معقول ہے۔

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے

ودیة المـرأة علی النّصف من دیة الرّجل وقد ورد ھذا اللّفظ مـوقـوفـا علی علیّ (والموقوف فی مثلہ کالمرفوع ولا مدخل للرّأی فی التّقدیر) ومرفوعًا الی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ......والحجّة علی ما رویناہ بعمومہ ولانّ حالھا انقص من حال الرّجل ومنفعتہ (**ہدایہ ص ۲۹ ۵ ج ۴**)

اخـرج البیھـقـی عـن معاذ بن جبل قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم دیة المرأة علی النّصف من دیة الرّجل واخرج ابراھیم عـن عـلـیّ انّـہ قـال عقل المرأة علی النّصف من عقل الرجل شرح نقایہ (حاشیہ ہدایہ ص رر)

بدائع میں ہے (ترجمہ) اور مقتول اگر عورت ہو تو اس کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے، چنانچہ سیدنا عمر، سیدنا علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے روایت ہے کہ انہوں نے عورت کی دیت کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ مرد کی دیت کا نصف ہوگی

اور ایسی کوئی روایت نہیں کہ کسی نے ان سے اختلاف کیا ہو، لہٰذا یہ اجماعی مسئلہ ہے، علاوہ ازیں اپنی میراث اور شہادت میں مرد کے نصف پر ہے تو ایسی ہی دیت میں ہے (البدائع ص ۵۹۱)

اس کے علاوہ عاقلہ پر دیت کی صورت میں عورت اس میں بطور حصہ دار شریک نہیں ہوتی جیسا کہ عاقلہ کی تفصیل سے واضح ہے ولیس علی النساء والذریۃ ممن کان لہ حظ فی الدیوان عقل (ہدایہ ص ۶۳۲ ج ۱)

عورتوں اور بچوں پر جن کا دیوان میں حصہ ہے دیت نہیں ہے ۔امام محمد کی اصل روایت یہی ہے اور یہی اصح ہے امام طحاوی نے اس کو اختیار کیا ہے (حاشیہ ہدایہ ص ر ر)

جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اس کے بعض دلائل اوپر مذکور ہیں، یہ مسئلہ قیاسی نہیں قیاس کو اس میں دخل نہیں، البتہ تائید میں قیاس کو پیش کیا گیا ہے، مسئلہ کا مدار نقل پر ہے، ہمارے دور کے بعض علماء کے نزدیک عورت کی دیت مرد کے مساوی ہے اس کے بارہ میں علماء کرام نے تفصیل سے تحقیق لکھ دی ہے جس میں ان کے دلائل کا جواب بھی ہو گیا ہے، اس لئے جمہور فقہاء کے مذہب پر ہی عمل کرنا چاہئے، یہ نقل اور عقل کے موافق ہے۔

قانون ہذا کی دفعہ ۳۳۰ کی رو سے دیت مقتول کے ورثاء کے درمیان بحصہ وراثت تقسیم ہوتی ہے، کہا گیا ہے کہ دیت مقتول کے پسماندگان کو معاوضہ

کے طور پر دی جاتی ہے یہ مقتول کا ترکہ نہیں کہ اسے مقتول کے ورثاء میں بحصہ وراثت تقسیم کیا جائے (ایجنڈا ص ۸)

اس کے بارہ میں عرض ہے کہ دیت مقتول کے ورثاء میں بحصہ وراثت تقسیم ہوگی، یہی صحیح اور ثابت بالسنۃ ہے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اشیم الضبابی کی عورت کو اس کے زوج کی دیت میں حصہ وراثت دلوایا تھا جیسا کہ ترمذی میں ہے اور اس حدیث کو ترمذی نے هذا حديث حسن صحيح کہا ہے، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن سعيد بن المسيّب قال : قال عمر الدّية على العاقلة ولاترث المرأة من دية زوجها شيئًا فاخبره الضّحاك بن سفيان الكلابی انّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كتب اليه: ان ورّث امرأة اشيم الضّبابی من دية زوجها (از اعلاء السنن ص ۳۰۰۳ ج ۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

واخرج الدّارمی عن عمر وعلیّ و زيد قالوا الدّية ا ورث كما يورث المال وعن ابی قلابة قال :الدّية سبيلهاسبيل الميراث وعن ابراهيم قال الدّية على فرائض الله وعن ابن شهاب قال العقل ميراث بين ورثة القتيل على كتاب الله وفرائضه (از اعلاء السنن ص ر ر)

ضحاک بن سفیان الکلابی کی روایت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی

اپنی پہلی رائے سے (کہ دیت خاصۃ مقتول کے عصبات کیلئے ہے) رجوع کرلیا تھا۔

وروی الامام احمد باسنادہٖ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ انّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلم قضٰی انّ العقل میراث بین ورثة القتیل علٰی قرائضھم ...حدیث عمرو بن شعیب عن جدہ اخرجه الھیثمی فی مجمع الزّوائد وقال رواہ احمد ورجاله ثقات اھ (۳۳۰/۴)

وفیه ایضًا عن انس بن مالك رضی اللّٰہ عنه انّ قتل اشیم کان خطأً رواہ الطّبرانی ورجاله رجال الصّحیح (ازاعلاء ص۳۵۴ ج۱۸)

فالاظھر فی تفسیر الدّیة ما ذکرہ صاحب الغایة اخرا قال والدّیة اسم لضمان یجب بمقابلة الاٰدمی اوطرف منه سمّی بھا لانّھا تجری عادة لانّھا قلّما یجری فیه العفو لعظم حرمة الاٰدمی (ازتکملہ فتح القدیر ص۳۰۱ ج۸)

وروی سعید بن المسیّب انّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال فی النفس الدّیة وفی اللّسان الدّیة وفی المارن الدّیة وھٰکذا فی الکتاب الّذی کتبه رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم لعمرو بن حزم کماسیأتی (//)

یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ دیت آدمی اوراس کے کسی عضو کے

بدلے میں واجب ہوتی اور ولی کو قاتل کی طرف سے دی جاتی ہے والاصل فی وجوبھا علی العاقلۃ قولہ علیہ السّلام فی حدیث حمل بن مالک للاولیاء قوموا ادوہ (ہدایہ کتاب المعاقل ص ٦٢٩ ج ۴)

اور بعض صورتوں میں قاتل کے مال میں دیت واجب ہوتی ہے مثلاً قاتل ابن کے مال میں دیت واجب ہوتی ہے اور وہ حالاً ہوتی ہے بخلاف دیت علی العاقلہ کے کہ وہ تین سال میں ادا کی جاتی ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رجل قتل رجلا خطأً فالدّیۃ بین جمیع الورثۃ والموصٰی لہ بالثّلث کسائر الترکۃ لان الدّیۃ مال ھو بدل نفسہ فیکون ترکۃ لہ بعد موتہ کسائر اموالہ......وقدصحّ رجوع عمرعن ھذا(یعنی انّما الدّیۃ للعصبات خاصّۃً) حیث روی لہ الضّحاک بن سفیان الکلابی الحدیث کمارویناولاحقّ للموصٰی لہ بالثّلث فی دم العمد لانّ موجبہ القصاص ولیس بمال ولایحتمل التّملیک ما یعقد الخ (ص ١٦۴ ج ٢٦)

ہدایہ میں ہے: واصل ھذا انّ القصاص حقّ جمیع الورثۃ وکذا الدّیۃ الخ (ص ٥٥٦ ج ۴)

شرح کنز للعلامۃ الزیلعی میں ہے: الدّیۃ اسم للمال الّذی ھو بدل النّفس الخ (١٣٦ ج ۴)

علامہ احمد الشبلی محشی شرح الکنز لکھتے ہیں: ذکر مسائل کتاب الدیات بعد کتاب الجنایات لان الدیة احد موجبی الجنایة فی الآدمی الخ (//)

مطلب یہ ہے کہ دیت جنایت سے واجب ہونے والی دو چیزوں میں سے ایک ہے، ایک قصاص دوسری دیت، اصل قصاص ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے جیسے خطا سے جنایت ہوئی ہو دیت واجب ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ دیت واجب ہے اور یہ واجب ہوتی ہے بوجہ جنایت کے جیسے کہ قصاص واجب ہوتا ہے۔

جنایت کے دو موجب ہیں، اول قصاص، جب وہ ساقط ہو جائے تو اس کا بدل دیت واجب ہوتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: واذا سقط القصاص ینقلب نصیب الباقین مالا الخ (ص ۵۵٦ ج ۴) جیسے قصاص حق ہے وارثوں کا ایسے ہی اپنی شرائط سے دیت بھی وارثوں کا حق ہے۔

شمس الائمہ السرخسی لکھتے ہیں: ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس نے مال یا حق چھوڑا ہو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور قصاص حق ہے اس کا اس لئے کہ اس کے نفس کا بدل ہے تو ہوگی میراث اس کے تمام وارثوں کی جیسا کہ دیت (المبسوط ص ۱۵۷ ج ۲٦)

دیت مال نفس کے بدلہ میں دی جاتی ہے، پھر اس کے ترکہ میں داخل ہونے میں کیا شبہ ہے، وہ یقیناً ترکہ میت مقتولہ میں داخل ہے جیسا کہ شمس الائمہ السرخسی وغیرہ فقہاء نے تصریح کی ہے، وہ ورثہ مقتول کا حق ہے اور جیسے میت کا مال ترکہ میت ہوتا ہے اسی طرح میت کا حق بھی اس کا ترکہ ہوتا ہے جیسا کہ مبسوط سرخسی سے اوپر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گذرا۔

یہ جو کہا جا رہا ہے کہ دیت مقتول کا ترکہ نہیں صحیح نہیں، جس طرح اس کا مال ترکہ ہے اسی طرح اس کا ''حق'' بھی ترکہ ہے، اسی بنیاد پر تو اس کے وارث قصاص کے حقدار ہوتے ہیں، قصاص بھی تو مال نہیں بلکہ حق ہے، اسی طرح دیت بھی حق میت ہے اس کے بھی تمام وارث حقدار ہوں گے۔

قرآن کریم سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دیت مقتول کے وارثوں کا حق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطأً (الی قولہ) وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ الآیۃ (پ ۵)

خلاصہ ترجمہ: اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر (شرعاً) ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا (واجب) ہے اور خونبہا

(بھی واجب ہے) جو اس (مقتول) کے خاندان والوں کے (یعنی ان میں جو وارث ہیں بقدر حصص میراث) حوالہ کردی جاوے (اور جس کے کوئی وارث نہ ہو بیت المال قائمقام ورثہ کے ہے) مگر یہ کہ وہ لوگ (اس خونبہا) کو معاف کردیں (خواہ کل یا بعض اتنی ہی معاف ہوجاوے گی) (بیان القرآن ص۴۵ ج ۳)

قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں (یہ قاضی صاحب شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) قوله تعالى مسلّمة مؤداة الى اهله اى اهل المقتول يعنى ورثته يصرفونها مصارف تركته فى تجهيزه و ما بقى فى اداء ديونه ثمّ ما بقى فى انفاذ وصاياه من الثلث وما زاد ان شاء و وما بقى يقسم بين الورثة كسائر المواريث ،الّا ان يّصّدّقوا يعنى ان يعفوا اى الورثة اوالمقتول بعد الجرح قبل ان يموت (تفسیر مظہری ص۱۸۱ ج ۳)

فدية مسلّمة الى اهله سے ثابت ہورہا ہے کہ دیت واجب ہے اور مقتول کے وارثوں کا حق ہے، ان کے سپرد کی جائے گی ،وارثوں کو اس میں ہر طرح سے ہر طرح تصرف کا اختیار ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں تصریح ہے۔

الّا ان يّصّدّقوا وارثوں (یا مقتول کو جرح کے بعد موت سے پہلے) دیت کے معاف کرنے کے اختیار دینے سے ثابت ہورہا ہے کہ یہ دیت وارثوں کی ملکیت ہے،ملکیت کے بغیر معافی متصور نہیں ہے،اس لئے وارثوں کی اجازت

کے بغیر دیت میں کسی طرح کا کوئی تصرف کرنا بغیر اجازت کے ملک غیر میں تصرف قرار پائے گا جو کہ ناجائز ہے۔

دیت کو ورثہ مقتول کے سوا کسی اور مصرف میں صرف کرنا دیت کی مشروعیت کی حکمت اور افادیت کے بھی خلاف ہے، یہ تو اس لئے مشروع ہوئی ہے کہ مقتول کا اس کے وارثوں کو ایک قسم کا بدلہ مل جائے، نفس کا بدلہ اگرچہ نفس ہی ہے مال نہیں ہے مگر بالکل ہدر ہونے سے بچانے کیلئے مال کو شرعاً بدل قرار دے دیا گیا کیونکہ قاتل کی نیت قتل کی نہیں تھی بلکہ اور کوئی مانع تھا۔

قاعدہ

ہدایہ میں یہ قاعدہ لکھا کہ محل جزا میں جو مصدر مقرون بحرف فا ہو اس مصدر سے امر مراد ہوتا ہے، عبارت یہ ہے: والمصدر المقرون بحرف الفاء في محلّ الجزاء يراد به الامر۔

اس کی شرح میں علامہ قاضی زادہ آفندی لکھتے ہیں:

نظيره قوله تعالى فضرب الرّقاب اى فاضربوها وقوله تعالى فتحرير رقبة مّؤ منة اى فليحرّرها الخ (ص ۱۹۱ ج ۸ تکملہ فتح القدیر)

جب تحرير رقبة مّؤمنة مصدر امر کے معنی میں ہوا اور امر کا موجب وجوب ہے اور ودية مّسلّمة الى اهله اس پر معطوف ہے معطوف کا حکم وہی ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے، اس لئے قتل خطا پر تحرير رقبة اور مقتول کے ورثہ کو

(اھلہ کی تفسیر ورثہ سے کی گئی ہے) دیت سپرد کرنا واجب ہے اور اس دیت کو نفس مقتول خطا کا شرعاً بدلہ قرار دیا گیا ہے، بغیر معاوضہ نفس ورثہ مقتول کو ابتداءً نہیں دی جاتی کہ جس طرح چاہیں اس کو صرف کرلیں، بلکہ اس کو ورثہ مقتول کا حق نفس مقتول کے معاوضہ میں شرعاً قرار دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ محولہ بالا اور ضحاک بن سفیان الکلابی کی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اشیم الضبابی کی عورت کو اس کے خاوند کی دیت میں سے حصہ وراثت دلایا گیا تھا جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا۔

نوٹ: ''جس صورت میں شرعاً دیت کا کوئی حقدار نہ ہو، مقتول لاوارث ہو اور بیت المال ہی حقدار ہو تو اس دیت کو مفاد عامہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے'' اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

دفعہ ۳۲۳ میں دیت کی مقدار کا تعین احکام شرع کے تابع عدالتوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس سے بھی عدالتوں کے فیصلوں میں اختلاف اور عوام میں انتشار پیدا ہوگا، ہر شخص عدالتوں کے مختلف فیصلوں پر تنقید کرے گا اور عدالتوں کو تعیین کرنے میں دقت کے علاوہ ان پر تہمت کا دروازہ کھلے گا، اس لئے دیت کی تعیین کر دینی ضروری ہے تا کہ عدالتوں کو فیصلوں میں سہولت بھی حاصل ہو اور یکسانیت بھی رہے۔

دیت کی تفصیل

دیة شبه العمد عن علقمة والاسود قالا قال عبد الله فی شبه

العمد خمس وّعشرون حقّة وخمس وّعشرون جذعة وخمس وّعشرون بنات لبون وخمس وّعشرون بنات مخاض ،اخرجه ابوداؤد وسكت عنه هو والمنذری زیلعی (اعلاء السنن ص ۱۴۳ ج ۱۸) اسی طرح ہدایہ ص ۵٦۸ ج ۴ پر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث ابن مسعود کو ترجیح اس وجہ سے دی ہے کہ چار قسموں کے ساتھ تغلیظ متفق علیہ ہے اور تین قسموں سے تغلیظ اختلافی ہے، متفق علیہ پر عمل کرنا بنسبت اختلافی پر عمل کرنے کے راجح ہے (اعلاء السنن ص ۱۴۳ ج ۱۸) چار قسموں کی تفصیل اوپر ذکر کر دی گئی ہے۔

دیت قتل خطا

عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی دیۃ الخطأ عشرون حقّۃ وعشرون جذعۃ وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون ابن مخاض ذکر،اخرجہ ابوداؤد وسکت عنہ وقال ہو قول عبد اللّٰہ (اعلاء السنن ص ۱۴۴ ج ۱۸)

وقال التّرمذی لا نعرفہ مرفوعا الّا من ھذا الوجہ وقد روی عن عبد اللّٰہ موقوفا (شرح نقایۃ)

اور قواعد حدیث کے مطابق موقوف بھی اسی طرح کے مسئلہ میں حکم میں مرفوع کے ہے اور سماع پر موقوف ہے کیونکہ قیاس کو مقدار مقرر کرنے میں دخل

نہیں ہے اس لئے سماع پر موقوف ہے۔

اسی طرح ہدایہ (ص ۵٦٨ ج ۴) میں ہے کہ قتل خطا کی دیت سو اونٹ پانچ قسم کے ہیں اور اوپر کی تفصیل کے مطابق ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قتل خطا میں اسی طرح پانچ قسم کے اونٹوں کا فیصلہ فرمایا تھا۔

مختلف روایات میں جس روایت کو اختیار کیا ہے اس میں تخفیف ہے اور تخفیف قتل خطا کے مناسب ہے اس لئے اسی پر عمل کرنا چاہئے (عنایہ شرح ہدایہ)

اونٹوں کے علاوہ دیت

ہدایہ ص ۵٦٩ ج ۴ میں ہے کہ سونا ایک ہزار دینار اور چاندی دس ہزار درہم دیت میں دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مقتول کی دیت کا فیصلہ دس ہزار درہم سے کیا تھا، اور گایوں میں سے دوسو گائیں اور بکریوں میں سے دو ہزار بکریاں اور کپڑوں کے دو جوڑے ہر جوڑا دو کپڑوں کا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر مال والے کے ذمہ اسی طرح مقرر کیا ہے (کذافی الہدایہ ص ۵٦٩ ج ۴)

روایات میں مختلف وزن کے دراہم کا ذکر آتا ہے مگر دیت میں دس ہزار درہم پر سب کا اتفاق ہے اس سے زیادہ میں اختلاف ہے، تو جس مقدار پر اتفاق ہے اور وہ متیقن ہے اس پر ہی عمل کرنا چاہئے اور وہ دس ہزار درہم اور ایک ہزار

دینار ہیں ، ہر دینار دس درہم کا ہے ، اسی واسطے زکوۃ میں سونے کا نصاب بیس دینار اور چاندی کا دوسو درہم مقرر کیا گیا ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے ، گویا شرع نے دس درہم کو ایک دینار کی قیمت قرار دیا ہے، سونے کی بیس مثقال میں زکوۃ ہے اور چاندی کی دوسو درہم میں ، دوسو درہم بیس دینار کے برابر ہوئے ، اسی طرح ہر دینار کے مقابلہ میں دس درہم دیت میں شمار کرنے چاہئیں ۔

جنین کی دیت میں بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کی دیت میں پانچ سو درہم کا فیصلہ فرمایا (کذا فی الزیلعی)

اس سے ثابت ہوا کہ دیت دس ہزار درہم ہے، کیونکہ جب پانچ سو درہم بیسواں حصہ ہوا تو کامل دیت دس ہزار درہم ہوگی ۔ فقط

باقی ایجنڈے پر پھر عرض کیا جائے گا[۱] ، امید ہے کہ تحریر پر غور فرمایا جائے گا۔

سید عبدالشکور ترمذی
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
۳ رشوال المکرم ۱۴۲۱ھ ۳۰ ردسمبر ۲۰۰۰ء

---

(۱) ولکن ع کم حسرات فی بطون المقابر

افسوس صد افسوس کہ حضرت اقدس ترمذی قدس سرہ کی زندگی کی یہ آخری تحریر ثابت ہوئی، آپ نے ۳ر شوال المکرم ۱۴۲۱ھ کو یہ تحریر مکمل فرمائی اور ۴ر کو اس پر نظر ثانی فرما کر احقر کے سپرد کیا کہ اسے نظریاتی کونسل کے چیئرمین صاحب کو بھیج دیا جائے، احقر ابھی یہ تحریر گرامی بھیج بھی نہ پایا تھا کہ ۵ر شوال بعد مغرب حضرت اقدس اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمائے گئے، اناللہ و انا الیہ راجعون۔

یہ مضمون حضرت اقدس کا آخری مضمون ہے جو بہت سے علمی فوائد اور گراں قدر تحقیقات پر مشتمل ہے جسے عوام وخواص کے افادہ کیلئے الحقانیہ میں شائع کیا گیا، خدا تعالیٰ حضرت کیلئے اسے رفع درجات کا سبب اور باقیات صالحات بنائیں اور امت کو منتفع ہونے کی توفیق دیں، آمین۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۷/۹/۲۲ھ